پاکستانی خواتین ناول نگاروں کے ہاں فطرت ،ماحول اور ماحولیاتی مسائل کی عکاسی

ڈاکٹر نورین رزاق[1]م ڈاکٹر محمد کیو مرثی**

Abstract:

"Novel is a vast genre that can give voice to, and portray different facets of life. The novels penned by Pakistani women explore different issues of national and international significance. The environmental and social concerns/problems that take birth due to perversion at human/social level are not all created equal. An individual is always subsequent to his/her social and environmental setup.

Pakistani women novelists write about different dynamics of society, environment, ancient and conflicts between contemporary cultures and civilizations and religious beliefs. Therefore different societies that might otherwise show the same culture/social concerns are actually individual social milieus. Most Pakistani women novelists explore these issues along with a host of other issues related to the interplay of nature and environment. These environmental concerns once when they interact with individuals living in a society, give birth to numerous ecological concerns."

Key Words: significance, environment, concerns, interact, numerous

پاکستانی خواتین ناول نگاروں نے عصری اور معروضی حقائق کے ساتھ زندگی کی ان حقیقتوں کو بھی موضوع بنایا ہے جن کا تعلق باطنی دنیا اور محسوسات سے ہے۔ انھوں نے فنکارانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر سماجی، سیاسی اور معاشرتی زندگی کے کئی اہم گوشے بے نقاب کیے ہیں۔ اس لیے ان ناولوں میں زندگی بنتی، بگڑتی، گاتی، روتی اور منہ بسورتی نظر آتی ہے۔ ان ناولوں میں ایک جہان پوشیدہ ہے جس کا تعلق داخل کی کشمکش اور خارج کے تلخ و شیریں حقائق سے ہے۔فطرت سے تعلق ماحول اور اورماحولیاتی مسائل کی پیش کش بھی ان میں سے ایک ہے۔ پاکستانی خواتین ناول نگاروں کے ہاں داخلی اضطراب، احساسِ تنہائی اور آشوبِ ذات کے نتیجے میں پیدا ہونے والے خلا، کرب اور دکھ کو کم کرنے میں فطرت کے مترنم نغمے اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ماحول کا پیدا کردہ کرب فطرت کی آغوش میں یک گونہ لذّت، سکون اور مسرت حاصل کرتا ہے۔ ناولوں کے کردار فطرت کی مدد سے اپنی تلاش میں سرگرداں نظر آتے ہیں۔ اس لیے کہ انسان کا فطرت سے اٹوٹ رشتہ ہے۔ڈاکٹر محمد فاروق عثمان لکھتے ہیں:

> ''انسان کے انسان کے ساتھ اور انسان کے مظاہر کائنات کے ساتھ تعلق کی نوعیت کیا ہے۔ یہ سوال کسی بھی معاشرت کا اہم ترین مبحث ہے۔'' (۱)

یہ سوال اس لیے اہم ہے کہ انسان فطرت کی آغوش میں پلا بڑھا ہے۔ فطرت شخصیت کی تشکیل

---

[1]اسسٹنٹ پروفیسر،شعبۂ اُردو ،لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی،جیل روڈ، لاہور
** صدر شعبہ اُردو، تہران یونیورسٹی، ایران

اور ارتقا میں ہمیشہ سے معاون رہی ہے۔ انسان نے جب اپنی زندگی کا آغاز کیا تو وہ فطرت کے زیادہ قریب تھا۔انسان کا قدرتی مظاہر نباتات اور چرند پرند سے تعلق براہِ راست اور زیادہ اہم تھا۔ حسین و جمیل نظارے، پرشکوہ جانور،فضائے بسیط میں اڑتے پرندے اور گیت گاتی فضائیں اس کو متاثر کرنے کا ذریعہ تھے۔ انسان نہ صرف قدرتی حسن اور نظاروں سے لطف اندوز ہوتا تھا بلکہ جانوروں اور پرندوں کی منفی اور مثبت خصوصیات سے سیکھتا بھی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم دور کی کہانیوں اور اساطیر میں جانوروں اور پرندوں کا ذکر کثرت سے ملتا ہے اور ان کو علامت، تشبیہ اور استعارہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔

انسان کی داخلی دنیا پُراسرار، مبہم اور پیچیدہ ہے۔ وہ لاینحل مسائل میں گھرا ہوا ہے۔ زندگی کی گھمبیرتا اور پیچیدگیوں میں فطرت مونس و غم خوار محسوس ہوتی ہے۔ پاکستانی خواتین کے تحریر کردہ ناولوں میں سرسبز علاقے، میوے، باغات، درخت، چشمے، ندیاں، پگڈنڈیاں، دھیمی اور پُرکیف ہوائیں اور ان جیسے کئی شفاف مناظر بلاشبہ رومانی ماحول اور رویے کی عکاسی کرتے ہیں لیکن ماحول کے تاثرات سے کہانی کا تانا بانا عمدگی سے بُنا گیا ہے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ناولوں میں فطری عناصر کا ذکر صرف مرد اور عورت کی محبت کے توسط سے نہیں آیابلکہ بعض کردار خارجی زندگی سے داخلی زندگی کا سفر فطرت کی مدد سے طے کرتے دکھائی دیتے ہیں اور خارج سے زیادہ باطن میں غوطہ زن ہوتے ہیں۔

فطرت کے حسین نظاروں سے لطف اندوز ہونا انسانی سرشت ہے۔ فطرت جس کا حسن تصنع سے پاک ہے۔ انسان اس کی رعنائی اور جمال سے محبت کرتا ہے۔ پاکستانی خواتین ناول نگاروں کے ہاں مناظرِ فطرت اور مظاہرِ قدرت کی عکاسی اس انداز میں کی گئی ہے کہ وہ صرف جذباتی و قلبی مسرت اور روحانی تقویت کا ذریعہ نہیں ہے بلکہ فطرت ایک ایسے کردار کے روپ میں نظر آتی ہے جو حیاتِ گراں کا بوجھ اٹھانے میں مدد کرتی ہے ۔ ساکت و صامت پہاڑ، بلند و بالا چوٹیاں، بادِنسیم کے جھونکے ،اچھلتی کودتی ندیاں ، دریا کی روانی، آسمان کی نیلاہٹیں اور وسعت، ستاروں کا جال، چاند سورج کا طلوع و غروب حیات بخش سامان ہے۔ فطرت ایسے سبق سکھاتی ہے جو کسی استاد یا درس گاہ میں پڑھے اور سیکھے نہیں جا سکتے:

> ''میں نے ایک لمحے کے لیے نظر اٹھا کر دیکھا تو دریا مسکرا رہا تھا۔ قلم رکھ کر میں اسے دیکھنے لگا۔ یہ دریا کیوں مسکرا رہا ہے؟ ارے تو کیا زندگی کا مقابلہ کر سکنے کی ہمت مجھے دریا سے ملی؟ ارے میرے دوست مٹھی بھر پانی اور اتھلے سے میدان میں انٹ شنٹ بہتے جاتے ہو۔ تم میں اتنی قوت اتنی گھمبیرتا، اتنی شان کہاں سے آ گئی ؟ اور پھر یہی قوت مجھ مٹھی بھر ہڈیوں اور گوشت کے پلندے میں بھی سرایت کر گئی۔ صرف اس لیے کہ میں کچھ دن تمہارے قریب رہا۔''(۲)
>
> ''یہ اخبار کی تازہ خبریں تھیں یا کسی پاگل خانے کی رپورٹ؟ یا دوزخ گزٹ ۔ میں نے دہشت زدہ ہو کر سکونِ اعصاب کے لیے گہرے نیلے آسمان پر ایک نظر ڈالی۔ زندگی کی کلفتوں اور اذیتوں کو فراموش کرنے کا میرے لیے ہمیشہ یہی موثر علاج رہا ہے۔ آسمان کی نیلاہٹوں کوتکنا۔ اس میں گم ہو جانا۔''(۳)
>
> ''چنانچہ رات کو وہ لیٹی تو نتھیاگلی کے پہاڑوں کی گہری خاموشی نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا اور فطری حسن نے اس کے زخموں پر پھاہے رکھنا شروع کر دیے۔''(۴)

فطرت خارجی مناظر کو بیان کرنے کا نام نہیں بلکہ جذبے اور دل سے نکلنے والی صداؤں اور احساسات کواس میں شامل کرنے کا نام ہے۔ فطری عناصر حسیّات کو چھوتے اور متاثر کرتے ہیں ۔ خواتین ناول نگاروں کے ہاں مسحور کن مناظر مشاہدے اور باریک بینی کا ثبوت ہیں لیکن اس والہانہ وابستگی کا مظہر بھی ہیں جو فطرت ، ماحول اور انسان کے درمیان موجود ہے۔

> ''اچانک جھومتے پھولوں، جھومتے بادلوں اور جھومتی ہواؤں کے ساتھ افگار کے دل میں زندگی بھی جھوم اٹھی۔ کمبل میں لپٹی لپٹی وہ کھڑکی میں سے عظیم الشان چیڑوں کو ہوا میں جھکولے

کھاتے دیکھتی رہی۔ دور نیچے ندی کی سرسراہٹ، درختوں کی مسلسل سائیں سائیں سے مل کر وادی کو سرگوشیوں میں ڈبو رہی تھی۔ پھر سفید بادل سلیٹی ہو گئے اور ان میں سے رِس رِس کر موٹے موٹے قطرے ٹپ ٹپ چھتوں پرگرنے لگے۔ جس کا راگ الاپ ندی اور درختوں نے سرگوشیوں میں شروع کیا تھا۔ اس کی دھن اب تیزی سے ٹین کی چھت پر بجنے لگی۔ عمر بھر میں پہلی دفعہ افگار کو اپنی رگوں میں زندگی دوڑتی ہوئی محسوس ہوئی۔''(۵)

کائنات میں پیدا کردہ مخلوق میں سے انسان سب سے الگ تھلگ اور منفرد ہے۔ انسان مختلف حالات وواقعات کے تحت متغیر جذبات کے زیرِ اثر ہوتا ہے اسی لیے ا س کے اس کا ردِ عمل بھی مختلف احساسات و کیفیات پر منحصر ہوتا ہے۔ دکھ، تکلیف، مصیبت اور رنج کے عالم میں بعض اوقات فطرت ہمدرد، دم ناز اور غم گسار محسوس ہوتی ہے۔ تنہائی ، بیماری ، موت، یاسیت اور کہیں اپنی ذات کی تلاش کے دوران میں فطرت مہربان ماں کی طرح لگتی ہے۔ حالات کی تپتی دھوپ میں سایہ فگن ہوتی ہے چونکہ حسن سے لطف ہونا اور مناظرِ فطر ت سے حظّ اٹھانا انسانی سرشت میں شامل ہے۔ اس لیے ناولوں کے کردار فطرت سے دل کی باتیں کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ فطرت ان کی ہم خیال ہے۔ فطرت کی آغوش میں انھیں طمانیت، انبساط اور نئی روشنی ملتی ہے۔ بعض اوقات ان مناظرِ فطرت کو دیکھ کر جوروحانی کیف اور آسودگی ملتی ہے وہ جینے کی امنگ اور حالات سے لڑنے کاحوصلہ پیدا کرتی ہے:

''... اور جب وہ قید کی صعوبتوں کے پہلے تجربے کے خلاف بچکانہ احتجاج میں بے طرح جھنجلا اٹھا تو فطرت نے اس کے لیے اپنی آغوش وا کر دی ... آسمان پر تیرتے ہوئے بادلوں کے عظیم الشان جھرمٹ کو دیکھ کر جواہر لال نے قدرے حیرت سے اپنے آپ سے اعتراف کیا ... آج پہلی دفعہ اسے ساون کے گیتوں کی خوبصورتی محسوس ہوئی ۔ اب تک وہ دنیا کے جلوس میں کائنات سے بے خبر، کائنات میں مدغم اپنی راہ چلا جا رہا تھا۔ اب جو وہ کچھ دیر کے لیے زبردستی جلوس سے الگ کردیاگیا تو اس کا اندرونی وجود سطح پر آیا اور وہ بیرونی کائنات کی دھنک جیسی رنگا رنگی محسوس کرکے ایک مخصوص انسانی لطف میں ڈوب گیا۔''(۶)

''وہ کچی نند اسی آنکھوں سے کچنال کے گھنے اور اونچے درخت کے سائے اور ٹٹروں پر پھیلی ہوئی لوکی کدّو کی بیلوں کو تکتی رہی۔ ان سب چیزوں میں کتنی آسودگی اور راحت ہے ... ہوا کے ہر جھونکے پر لرزتی ہوئی ٹہنیوں سے ہار سنگھار کے زعفرانی ڈنڈیوں والے سفید پھول چپکے چپکے اس پر برستے رہے اور اس کے سوئے ہوئے وجود کے اندر طمانیت اور تسکین کے سوتے پھوٹتے رہے۔'' (۷)

خواتین ناول نگاروں کے ہاں فطرت کے حوالے سے بیان کی گئی چھوٹی چھوٹی تفصیلات فطرت سے محبت کا مظہراور کمال مشاہدے کا ثبوت ہیں۔ فطرت میں پاکیزگی اور تقدس ہے۔خواتین نے مختلف اشیائے فطرت کے حسن اور پا کیزگی کو بالتفصیل بیان کیا ہے۔لیکن فطری مناظر کو کرداروں کے کسی نہ کسی جذبے سے مربوط کیا ہے۔ قدرتی ماحول کے طبیعت پر مرتب ہونے والے اثرات خارج اور داخل کی کیفیات میں تطبیق پیدا کرتے ہیں۔ اس طرح یہ خواب ناک فطری ماحول ذہن کی اولین سطح سے آگے بڑھ کر روح کی گہرائیوں کومتاثر کرتا ہے۔

''بادل کتنے اچھے ہیں۔ آدمی ان میں جا بسے... کاش وہ وہاں پہنچ جائے جہاں آسمان اتنا نیچے جھک کے زمین سے آ ملا ہے ۔ وہ اسے ہاتھوں سے چھو لے۔ یہاں سے کتنا دور ہوگا یہ پاس ہی تو ہے اور جب رات ہو تو بہت سے تارے توڑ کر جھولی بھر لے اور ان سے ہار پرو لے زیور بنا لے ہائے کیسامزہ آئے۔''(۸)

خواتین ناول نگاروں کے ہاں فطرت کا حسن تصوراتی نہیں بلکہ حقیقی دنیاسے تعلق رکھتا ہے۔ فطرت کی پیش کش میں مقامی رنگ گہرا ہے۔ ہندوستانی موسم اور ماحول نظر آتا ہے۔ مقامی موسموں، پھولوں، پودوں، تہواروں اور رسوم و رواج نے ناولوں کو اپنائیت کا ذائقہ عطا کیا ہے۔ یہ ناول ماحول اور کیفیت میں ڈوب کر لکھے گئے ہیں۔ اس ضمن میں نثار عزیز بٹ اور الطاف فاطمہ کے ناول بطورِ

خاص ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔ سہمے ہوئے اور گنگناتے درخت، پرندے، زرد اور سبز بیلیں، ننھی منی کونپلیں، شگوفے، پنکھڑیاں، پگڈنڈیاں، جھاڑیاں ، خود رو پھول، پودے طبائع پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ کہیں مٹیالی اور تپتی دوپہریں گھٹن اور حبس کا احساس پیدا کرتی ہیں تو کہیں نرم ہوائیں میٹھا میٹھا لطف دیتی ہیں۔ مناظرِ فطرت، فطرتِ انسانی اور حواسِ خمسہ کو متاثر کرتے ہیں۔ روئے زمین پر پائی جانے والی فردوس اور جنت نظیر وادیاں جو فطری حسن اور دل فریب مناظر سے مرصع ہیں جمالِ خداوندی کے پرتو ہیں۔ خواتین کے پاس ان روح پرور مناظر کو بیان کرنے کے لیے قوت اور مشاہدہ بھی ہے اور ذخیرۂ الفاظ بھی۔ یہ ہوش ربا جلوے اور دل فریب نظارے محض مصورانہ چابک دستی نہیں بلکہ یہ مناظر خدا کی یاددلاتے ہیں۔

نیلم فرزانہ لکھتی ہیں کہ ادبی تخلیقات میں مناظر فطرت کا بیان دو صورتوں میں سامنے آتا ہے۔ پہلی صورت تو یہ کہ اس بیان کا مقصد صرف منظر کا بیان ہی ہوتا ہے جو بہرحال مسرت کے حصول کا ایک ذریعہ ہے۔ ایسی صورت میں فطری مناظر محض پس منظر کا کام کرتے ہیں۔ اس سے زیادہ ان کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ اگر کوئی ناول نگار ایسا کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ مناظرِ فطرت سے دلچسپی رکھتا ہے اور اس کے حسن سے لطف اندوز ہوتا ہے ... دوسری صورت یہ ہے کہ فطری مناظر محض پس منظر سے نکل کر ناول کے واقعات کے ارتقا کا ایک حصّہ بن جائیں۔ ایسی صورت میں فن کار کرداروں کے احساسات و جذبات اور صورت حال (Situation) کی داخلی کیفیت اور فطری مناظر کے درمیان ہم آہنگی تلاش کرتاہے۔ وہ فطری مناظر میں ان احساسات و جذبات کو لرزتا ہوا دیکھتا ہے اور اپنے تخیل کی مدد سے اپنی گرفت میں لاتا ہے۔[۹]

خواتین ناول نگاروں کے اکثر ناولوں پر یہ بات صادق آتی ہے۔کچھ ناولوں کے کردار یاس و نا اُمیدی کی کیفیت میں فطرت کے رنگوں میں ڈوب کر پژمردگی کی بجائے اُمید اور حوصلہ محسوس کرنے لگتے ہیں۔یہ مظاہر حواسِ خمسہ پر براہ راست اثر انداز ہوتے ہیں اس لیے فطری حسن کی کہیں ساکن اور کہیں متحرک تصویریں قلب و روح کو تازگی بخشتی ہیں۔بعض تشبیہات و استعارات کاتعلق حسِ جمالیات اور حواسِ خمسہ سے ہے۔

فطرت کی رنگینی، تنوع اور وسعت کا احساس خواتین ناول نگاروں کے اسلوب میں بھی در آیا ہے۔ یہ ان کی فطرت سے گہری دلچسپی او ر مشاہدے کا ثبوت ہے۔ پرندوں اور جانوروں کی مخصوص منفی اور مثبت خصوصیات کی مناسبت سے تشبیہ اور استعارے کا استعمال فطرت سے قربت کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ کہیں نباتات کے مماثل ہونے کی خواہش نظر آتی ہے توکہیں جانور اور پرندے علامت یا تشبیہ کی صورت اسلوب کا حصہ بن گئے ہیں۔

> ''ابّا اوپر مٹی پرکھڑا تھا۔ اس کے دونوں بازو آگے کو بڑھے ہوئے تھے۔ راجہ گدھ عمارت کی آخری اونچائی پر مالیخولیا کی لپیٹ میں کھڑا تھا۔''[۱۰]
>
> ''ہم نے گھر لوٹنے کا ارادہ کیا تو میں نے دیکھا کہ چندرا کی طرف سے ایک بڑا سا گدھ بھاگتا ہوا آیا اور سیم نالے کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ اس گدھ نے خاکی رنگ کے کھیس کی بکل مار رکھی تھی اور پیروں میں کچھ نہ تھا۔ پھر راجہ گدھ سیم نالے کے ساتھ گرتا پڑتا چلنے لگا۔''[۱۱]
>
> ''سیالکوٹ کے ان گدھوں نے ۱۸۹۳ء میں بھی انسانی جسم کو بڑی رغبت سے اپنی چونچوں کی زد میں کیا تھا۔ ۳۱۔ دسمبر ۱۸۹۶ء کی شب درختوں کی چوٹی پر بیٹھے ہوئے گدھ جن انسانی سایوں کے لیے اپنی چونچیں تیز کر رہے تھے وہ بھی کشمیر سے ہی نمودار ہوئے تھے۔''[۱۲]

درج ذیل مثالیں ملاحظہ کیجیے جن میں ناول کے کردار وں میں کوّے کو دیکھ کر آزاد اور کھلی فضا میں اڑنے کا جذبہ سر اُٹھاتاہے عرش کی بلندیوں کو چھونے کی خواہش جنم لیتی ہے ۔ گلہری کی طرح بے فکر ہوجانے کی تمنا ہےلیکن اس کے درپردہ بعض صورتوں میں ان جانداروں کی فطرت کا تغافل اور بے نیازی اور لا پروائی ماحول اور کیفیات سے فرار حاصل کرنے کا ذریعہ ہے:

> ''کائیں کائیں یک لخت ہی اس کی توجہ کووّں کی قطار کی طرف مبذول ہو گئی جو بسیر ے کے

لیے جا رہے تھے۔ اونچے اونچے درختوں کی سبز کا ہی چوٹیوں کے مقابل نیلے آسمان پر منڈلاتے ہوئے سیاہ سیاہ کوّے۔ کاش ! مجھے کوئی کوّابنا دیتا میں بھی مزے ہی میں رہتی۔ چیل تو کوئی خاک بنائے گا۔ اس کو چیل کی پرواز بہت پسند تھی۔ وہ گھنٹوں گھنٹوں چت پڑی حسرت سے دھیرے دھیرے بلندیوں کی طرف جاتی ہوئی چیلوں کو دیکھا کرتی۔''(۱۳)

''کاش میں یہ پہاڑی کوّا ہوتی۔ رفعت اور زینت ہنس پڑیں۔ کوّاکیوں! رفعت نے کہا۔ بلبل یا فاختہ کیوں نہیں؟ افگار نے بھنویں سکیڑ کر کہا۔ نہیں بلبل اور فاختہ ہر گز نہیں۔ ان گاتی ہوئی سلیم الطبع چڑیوں کے خیال سے ہی اُسے وحشت ہو رہی تھی۔ مجھے کوّا پسند ہے۔ ڈھیٹ اور بے نیاز۔ ادھر سے دھتکارو تو ادھر کائیں کائیں کرتا جا بیٹھا۔ مجھے اس کی یہ بات بہت اچھی لگتی ہے۔''(۱۴)

''... وہ بڑی نرمی سے درختوں کو چھو کر سوچتا میں فطرت کا حصہ کیوں نہیں ہوں؟ میں درخت کیوں نہیں ہوں؟ میں یہ پتہ کیوں نہیں ہوں ! میں گلہری کیوں نہیں ہوں؟ میں یہ بے فکر ہنستا ہوا بچہ کیوں نہیں ہوں؟ اسے اپنے آپ سے گہری یگانگت اور گہرا بعد محسوس ہوتا۔''(۱۵)

فطرت کی رنگینی انسان کو اپنی طرف بلاتی ہے لیکن ابدی ہونے کا خوف اُسے لرزا بھی دیتا ہے۔بعض ناولوں کے کرداروں میں کہیں نباتات سے مماثلت اختیار کر کے جینے کی امنگ دکھائی دیتی ہے:

''قلم ہاتھ سے رکھ کرکچھ دیر میں اپنی موتیے کی جھاڑی کو دیکھتا رہا۔ کتنا جی دار پودا ہے -- - مجھے اس لمحے موتیا کی جھاڑی پر بے حد رشک آ رہا ہے۔ میں کیوں نہ اس جھاڑی کی طرح ہو پایا! کہ وقت کے ساتھ پھیل کر خوشبو بھرے پھولوں سے لد جاتا؟ ''(۱۶)

فطرت بیک وقت جلال و جمال رکھتی ہے۔ زمین اور فطرت انسان کے لیے مسرت کا سامان بہم پہنچاتی ہے لیکن فطرت کبھی کبھی نا خوش گوار رُخ اختیار کرکے آسمان کے نیچے حوادث کا باعث بنتی ہے۔ بد نظمی اور انتشار بھی اس کا خاصہ ہے۔ زلزلوں کا ہر شے کو تہہ و بالا کر دینا ، جوار بھاٹے، دریاؤں کا بپھرنا ، پہاڑوں کا اپنی جگہ سے سرک جانا اور ہیبت ناک طوفانوں کا دفتر کے دفتر الٹ دینا فطرت کے جبر کا نشان ہے:

''آج بھی موسم قطعی قابو میں نہ آیا تھا۔ ہوا کسی جنون زدہ شخص کے قدموں کی طرح بے ربط تھی۔ آسمان پر تازہ تازہ بادل جمع ہو رہے تھے۔ یہ مون سون جب شروع ہوتے تو دنوں نہ تھمتے اگر بادل چھٹتے اور آسمان صاف ہوتا توچاند کے گرد ہالہ سا بن جاتا جو طوفان کی خبر دیتا تھا۔ فضا پر ایک وحشت سی چھا جاتی۔ پرندے خصوصیت سے اُلو خطرے کو بھانپ کر بولنا شروع کردیتے۔''(۱۷)

ناول اپنے عہد کے سماجی، سیاسی اور ثقافتی ماحول کی عکاسی کرتا ہے۔ ناول نگار موضوعات اور کردار معاشرے سے ہی حاصل کرتا ہے۔ اسے اردگرد پھیلی ہوئی سچائیوں کا ادراک ہوتا ہے۔ وہ معاشرتی حالات اور ماحول کا ترجمان ہوتا ہے۔ ڈاکٹر ممتاز احمد خان ناول میں پیش کیے گئے ماحول کی اہمیت کے حوالے سے لکھتے ہیں۔ ناول کا قصہ خلا میں معلق نہیں ہوتا اس کے لیے ایک مخصوص ماحول درکار ہوتا ہے۔بہت سے نا ول محض قصے کے دلچسپ ہونے کی بنا پر نہیں بلکہ پُر کشش ما حول یا سحر انگیز فضا کی وجہ سے بھی مقبول ہو جا تے ہیں-- ماحول میں محلے گلیاں رسوم و رواج ، میلے ٹھیلے ، کرتب تماشے اور روئے زمین پر ہونے والے دلچسپ واقعات جو ماحول کے اجزا ہوں ناول میں دلچسپی برقرار رکھنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔اس لیے کہ یہ قاری کے تصور میں ایک خاص ماحول کو زندہ کر کے اس کا چند لمحوں کے لیے حصّہ بنا دیتے ہیں۔ (۱۸)

افرادِ معاشرہ پر ماحول او رحالات کا بالواسطہ اور بلا واسطہ اثر ہوتاہے ۔ گھریلو ماحول شخصیت کی تعمیر و تخریب میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ بیرونی ماحول کے اثرات گھر کے اندر کسی نہ کسی صورت نظر آتے ہیں ۔

ایک ماحول معاشرے کا اور ایک گھر کا ہوتا ہے۔ گھر کی چار دیواری کا ماحول پاکستانی خواتین ناول نگاروں کا اہم موضوع ہے۔ اشرافیہ ، متوسط اور غریب طبقے کا گھریلو ماحول اور اس کے انفرادی

اور اجتماعی زندگیوں پر مرتسم ہونے والے اثرات کا جائزہ نا ولوں میں لیا گیا ہے ۔ سوچ کے پابند دھارے قدیم و جدید رسوم و رواج کی پیروی، بسا اوقات خاندانی وقار اور فرسودہ و کہنہ روایات کی پابندی، مشرقی گھرانوں کا وقار اور رکھ رکھاؤ اور سماجی اقدار کی قید میں جکڑی زندگی بیش تر ناولوں کا موضوع ہے۔ کرداروں کے اقوال و افعال اور مختلف مناظر کی تفصیلی جزئیات کے ذریعے ماحول کا نقشہ عمدگی سے کھینچا گیا ہے۔ طرزِ بودو باش، ذہنیت، عقائد و میلانات، غرضیکہ پوری تہذیبی زندگی کے نقوش نظر آتے ہیں۔ مشرقی ماحول کی ان چلتی پھرتی تصویروں میں مشترک پہلو وہ گھٹن اور جبر ہے، جس کے نتیجے میں دوپٹوں کے پلو منہ پر ڈالے دھیرے دھیرے روتی سسکتی ، سمجھوتہ کرتی اور جذبات کاگلہ گھوٹتی لڑکیاں مفاہمت کی پالیسی پر عمل پیرا نظر آتی ہیں۔ ایک طرف اس کی مثال ''دستک نہ دو'' کی صولت جہانگیر مرزا اور ''گیتی آرا'' ہیں۔ دوسر ی طرف آنگن کی تہمینہ اپنی ماں کے حکم کو نوشتۂ تقدیر سمجھ کر برداشت کرتی نظر آتی ہے:

> ''افوہ! اماں یہ شادی کبھی نہ ہونے دیں گی اور مجھے بد نامی سے بھی بہت ڈر لگتا ہے اس لیے کچھ نہیں ہو سکتا۔ آپا نے بازوؤں میں منہ چھپا لیا ... اماں سے نہ کہنا کہ میں رو رہی تھی۔ آپا نے آنسوؤں سے بھیگا ہوا چہرہ اٹھا کر کہا۔'' (۱۹)

خواتین کے ہاں ماحول کی عکاسی کی یک طرفہ تصویر نہیں ہے۔ مردانہ کردار بھی ماحول کے جبر کا شکار ہیں۔ ''دستک نہ دو'' کا شہر یار محبت کو سینے میں دفن کردیتا ہے تو مسعود بھیا کی محبت بھی دل میں ہی راکھ بن جاتی ہے۔ ''آنگن'' کا صفدر بھی ماحول کی جبریت کا شکار ہے۔

گھریلو ماحول میں ماں باپ کے طبائع کاتفاوت ،ذہنی و قلبی دوری اور کشاکش بچوں کی شخصیت کو کس طرح مسخ اور متاثر کر دیتی ہے اس کی مثال گیتی آرا اور عالیہ کی صورت میں دیکھی جا سکتی ہے۔ دبا اور گھٹا ہوا ماحول گیتی آرا کو مایوس اور بد گمان کرتا ہے۔ بے صبر ، نڈر اور باغی کر دیتا ہے۔ عالیہ کو مزید حساس بنادیتا ہے ۔ صولت جہانگیر کو دورخا اور دوغلا پن اپنانے کی ترغیب دیتاہے۔ بختیار کو اپنی عمر سے بڑا بنا دیتا ہے۔ شہریار اور مسعود کو سمجھوتہ سکھاتا ہے۔ چھمی کو بغاوت پر اکساتا ہے ۔ صفدر کومصلحت اختیار کرنے کاہنر سکھاتا ہے۔کسُم اور تہمینہ کو جان سے ہاتھ دھونے کی طرف راغب کرتا ہے۔ سلیمہ کو اپنی ہی سگی ماں سے متنفر کر دیتا ہے۔ ناظم کی ماں کوحالات کے ہاتھوں خاموش ہونے پرمجبور کر دیتا ہے۔ مشرقی گھرانوں کاماحول عموماًکچھ اس نوعیت کا ہوتا ہے کہ جس میں مائیں گھر کے نظام کو درست رکھنے کے لیے حکمت عملی سے کام لیتی ہیں۔

ناول اپنے عہد کے زمینی حقائق اور تہذیبی و ثقافتی سرگرمیوں کا عکاس ہوتا ہے۔ ناول نگار اپنے موضوعات زندگی اور سماج سے حاصل کرتا ہے۔ سماجی تغیرات سے ناول نگار کو نئے نئے موضوعات سوجھتے ہیں۔ یہ موضوعات اپنے عہد کی تصویر کشی اس طرح کرتے ہیں کہ اس میں تہذیب و ثقافت کی جھلکیاں بھی دکھائی دیتی ہیں۔ تہذیب ہی انسان کو ماحول عطا کرتی ہے اورثقافت بھی ماحول کی پیداوار ہوتی ہے۔ وہ ماحول جوانسان کو زبان، اخلاقیات ، رسم و رواج اور دیگر چیزیں عطا کرتا ہے۔ کسی بھی معاشرے کے ثقافتی نقوش ابھارنے میں مجموعی ماحول یا فضا کا حصہ موجود ہوتا ہے۔ گویا انسانی زندگی کے لیے تہذیب نا گزیر ہے ۔ انسان تہذیب کے بغیر نہیں رہ سکتا اور تہذیب کا انسان کے بغیر وجود میں آنا ممکن نہیں۔ پاکستانی خواتین ناول نگاروں کے کہیں خالص پاکستانی، کہیں ہندوستانی، پاکستان کی علاقائی اورصوبائی کہیں شمالی علاقہ جات اور کہیں مخلوط تہذیب اورماحول مخلوط پس منظر اور پیش نظر کے طور پر نظرآتا ہے۔ پاکستانی ماحول و معاشرت جس میں رقص و موسیقی، کھانا پینا،ادب، آرٹ، فنِ تعمیر، نشست و برخاست، مذہب ، عقائد، مخصوص ثقافتی سرگرمیاں اور روایات کی گہری جڑیں دکھائی دیتی ہیں۔ مخصوص پھل پودے اور پھولوں کا ذکر مشرقی ماحول کے گواہ ہیں۔ ان ناول نگاروں کی جڑیں اپنی زمین ،ماحول اور تہذیب میں پیوست ہیں۔ روایتی کردار جن میں د ادا، دادی، نانا ، نانی، اماں اور ابا کے کردار شامل ہیں یہ بھی ہماری ثقافت کے آئینہ دار ہیں۔ خواتین کے ہاں رسوم و رواج کا ذکر خصوصی طور پر ملتا ہے۔ سید جاوید اختر لکھتے ہیں کہ ہماری

معاشرتی زندگی میں ان رسموں کی جو اہمیت ہے اُسے ان ناول نگار خواتین نے پوری طرح محسوس کیا اور ان کی تفصیلات بیان کرتے وقت پورے فنی خلوص اور انہماک سے کام لیا ہے۔ کبھی کبھی ان ناولوں میں رسوم کا ذکر اس انداز میں بھی آیا ہے کہ بعض کردار بدلے ہوئے حالات میں ان توہمات سے نجات حاصل کرنے کے خواہاں نظر آتے ہیں۔ بہرحال ان رسموں کی یا توہمات کی تاریخی اور تہذیبی اہمیت مسلمہ ہے اور ان کے پیچھے سماج کے جو خیالات ، احساسات اور نظریۂ حیات کا پر تو ہے وہ انھیں تاریخ کا ایک بیش قیمت سرمایہ بنا دیتا ہے اور یہ بیش بہا سرمایہ ہمیں عورتوں کے ناولوں کی بدولت ہی ملا ہے۔(۲۰)

پاکستانی خواتین ناول نگاروں کے ہاں سماجی زندگی اورگھریلو ماحول کو متاثر کرنے والے رسم و رواج کا ذکر کثرت سے کیا گیا ہے اور ان میں آنے والی تبدیلیوں کا بھی ذکر ہے۔ نثار عزیز بٹ، الطاف فاطمہ اور خدیجہ مستور کے ناول اس ضمن میں بطور خاص دیکھے جا سکتے ہیں۔ مثالیں ملاحظہ کیجیے:

> ''اماں، چاچی، پھپھو سب بڑے قرینے سے سر ڈھکے کھانا کھا رہی تھیں۔ میں نے انھیں سراٹھا کر دیکھا اور سوچنے لگا یہ معاشرہ جس میں بزرگ خواتین کھانے کی میزوں اور نشست کے کمروں میں اپنے اور پرائے مردوں کے ساتھ لحاظ سے پیش آتی تھیں یہ ختم ہو رہا ہے اور لے دے کر یہ ایسی چند خواتین تک محدود ہے دراصل یہ سب ہمارے کلچر میں داخل تھا اور ہم اسی ماحول کے پرورده تھے۔''(۲۱)

> ''جب ماہ رُو نے اذانوں کے وقت ایک تندرست اور توانا لڑکے کو جنم دیا تھا۔ علی مردان کی ماں سکینہ نے یاخ کے گرم دودھ میں اپنی مخصوص جڑی بوٹیاں ملا کر اُسے پلائی تھیں اور اب و ہ بڑے آرام سے پڑی سو رہی تھی۔ سکینہ نے گرم پانی سے بچے کو غسل دے کر ابراہیم کی گود میں دے دیا۔ اس نے بسم اللہ کہہ کر اس کے بچے کے کان میں اذان دی۔''(۲۲)

بنگال کے ماحول کی عکاسی کرتے ہوئے بنگالی تہذیب و تمدن اور طرزِ تعمیر کا ایک نمونہ ''چلتا مسافر'' سے ملاحظہ کیجیے جس میں مسلم گھرانے کی کوٹھی کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے:

> ''وہ ایک پرانی وضع کی کوٹھی تھی جس کا پورچ گھنی بیلوں سے ڈھکا ہوا تھا ... اس کے چاروں طرف پھیلا ہوا ہرا بھرا باغ تھا۔ پورچ کے ساتھ اونچی کرسی والا برآمدہ تھا ... برآمدے کے بائیں پر ایک درمیانی سائز کا کمرہ تھا جس میں ایک سرخ رنگ کا گھسا ہوا پرانا قالین بچھا تھا۔ دوسرے گوشے میں ایک بہت پرانی اخروٹ کی منقش میز تھی جس پر چاندی کا بہت پرانا سگریٹ کیس اور اپنی ایش ٹرے رکھی رہتی تھی ... اس سے کچھ فاصلے پر مغلئی طرز کا بڑا سا پایوں والا قلم دان نما ڈیسک رکھا تھا۔ دوسری دیواروں کے ساتھ وکٹورین طرز کی دو نیچی نیچی کرسیاں رکھی تھیں۔''(۲۳)

الطاف فاطمہ کے ناول ''خواب گر''میں فطرت اپنی جلوہ سامانیوں کے ساتھ بر اجمان ہے۔ انھوں نے تبت خورد کے ماحول، ثقافت، روایات اور عقائد کی بخوبی عکاسی کی ہے۔ ایک فرد کے باطنی کرب کے علاوہ یخ بستہ موسموں کی شدت، غذائی قلت، وضع داری، مہمان نوازی، غربت اور محنت کی داستان پیش کی ہے۔ اس علاقے میں دو گلیشئر بلتورو اور بلتورا کے نام سے موجودہیں جو ایک دوسرے سے فاصلے پر ہیں لیکن جب یہ فاصلہ کم ہونے لگتا ہے تو ان دونوں کی شادی کی رسم ادا کی جاتی ہے۔

> ''عہد قدیم سے بلتورو کے عقیدے میں یہ بات یقین کا درجہ رکھتی ہے کہ بلتورو جس کو مذکر کادرجہ حاصل ہے اور بلتورا کو دلہن کے طور پر سمجھا جاتا ہے۔ جب ان کے درمیانی فاصلے مخدوش حد تک بڑھنے لگتے ہیں تو ان کی شادی کی رسم ادا کردینے سے ان کے درمیان مناسب قربت پیدا کی جاتی ہے ... شادی کی مخصوص رسوم، نقاروں اور ڈھولوں کی تھاپ پر رقص، سازو آواز کی سنگت، کلاوے کے بندھن...''(۲۴)

مشرقی معاشرے میں ضعیف الاعتقادی کے حوالے سے بھی فطرت کے مظاہر شامل نظر آتے ہیں۔

''چمن کی روشوں پر رات کی رانی لگی تھی جس کی مہک دور دور پھیلتی تھی۔ کبھی کبھی دادی اماں اس کی مہک سے گھبرا کے ہم سب پر دم کیا کرتی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ اس کی خوشبو پر جنات آنے لگتے ہیں۔''(۲۵)

''... سیاہی کا محض مختصر سا نقطہ اڑتا ہوا تنہا کوّا اس کا پریشان دل کچھ اور بھی سہم گیا۔ کوّوں کی اڑتی ہوئی سیاہ ڈار کی بجائے فقط ایک تنہا کوّا۔ انگریزوں کے عقیدے کے مطابق اکیلا کوّا بد خبر کامظہر ہوتا ہے۔ خدا خیرکرے ... یہی تو میرا دل اس کوّے کو دیکھ کر بیٹھا جا رہا تھا۔ اس نے خط میز پر ڈال دیا اور اپنے بستر پر منہ اوندھا کرکے لیٹ گئی۔ اس کا تکیہ آنسوؤں سے بھیگ گیا۔'' (۲۶)

پاکستانی خواتین ناول نگاروں کے ہاں دیہی طرزِ معاشرت، تہذیب و ثقافت ماحول اور معاشرت کی عمدہ عکاسی ملتی ہے۔ ان ناول نگاروں نے دیہی زندگی کے متعدد پہلوؤں کو پیش کیا ہے۔

بعض پاکستانی خواتین ناول نگاروں کے ہاں دیہاتی ماحول کی عکاسی میں جاگیردارانہ نظام کی خرابیوں کو کرداروں کی کیفیت سے جوڑ کر پیش کیاگیا ہے۔ دیہاتی ماحول کو پیش کرتے ہوئے کرداروں سے بھر پور مدد لی گئی ہے دیہاتی ماحول میں ملازموں کے ساتھ سلوک ، ٹھاٹھ بھاٹھ کے متوازی کسان کی زندگی کی مشکلات نام نہاد اقدار، رسوم ورواج ،توہمات ،نسل در نسل غلامی ،نسلی تفاخر اور عورت کے ساتھ بہیمانہ سلوک کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ دیہاتی ماحول کی پیش کش میں بھی کردار افسردگی اور ملال دور کرنے کے لیے فطرت کے نغموں پر توجہ دیتے ہیں۔ دھرتی جس کی کوکھ سے سونا اگتاہے لحظہ بھر کے لیے مادی دنیا کی کشاکش اور حساب کتاب کی دنیا سے دور کر دیتی ہے۔

''جب گاؤنکا میلہ لگا ... سارے گاؤنکی لڑکیاناور برادری کی جوان بہوئیں نئے نئے کپڑے، رنگ برنگ جوڑے پہنے گھوم رہی تھیں۔ ہاتھ پاؤں میں مہندی رچائے، دو پٹوں میں گہرے رنگ ڈالے۔ انھیں دیکھ کر لگتا تھا جیسے آکاش سے سات رنگوں والی پینگ اُتر کر زمین پر چل پھر رہی ہے ... نئی دلہنیں لال جوڑے پہنے تھوڑے تھوڑے گھونگھٹ ماتھے تک کھسکائے اپنی نتھوں کو ایک ہاتھ سے پرے ہٹا کر دوسرے ہاتھ سے چٹنی والے امرود اور تیل میں تلی مرچ مصالچے والی چیزیں کھا رہی تھیں ... کہیں کہیں مہریاں اور کہاریاں، سردارنیوں کے دیے ہوئے کپڑے پہنے ڈھولک بجاتی اور گیت گاتی پھرتی تھیں۔''(۲۷)

گاؤں کی حویلیوں کا ماحول ملاحظہ کیجیے:

''سب کو کھلا پلا کر جب آخر میں نوکروں کے کھانے کی باری آتی تو اس دورانیہ میں جو آوازیں پڑتیں حکم کی بجا آوری کے لیے یہی مسلنیں اپنا کھانا چھوڑ کر سوال سننے کو بھاگتیں۔ مہاجرنیں چھوڑ میراثنیں بھی ادھورا کھانا نہ چھوڑتیں۔ اُٹھنا پڑ ہی جاتا تو پوری روٹی میں سارا سالن لپیٹ کر گال میں دھنسا پلّو منہ میں چھپا نگل جاتیں کیوں کہ ادھ کھایا کھانا بلیاں جھوٹا کر جاتیں۔ کوّے چونچیں مارتے اور روٹی کے ٹکڑے اڑالے جاتے۔ مرغیاں پنجوں سے پھرولتیں، چوہے بلوں میں گھسیٹ لے جاتے۔ اگر دوبارہ کھانے کا موقع مل بھی جاتا تو اِدھراُدھر بکھرے ٹکڑے جمع کرنے پڑتے ... سامنے کتوں کا راتب تیار ہو رہا تھا۔ ساری چپڑی ہوئی روٹیاں دیسی گھی میں کٹی چوری، شوربے میں بھیگی ہڈیوں بوٹیوں کا آمیزہ ...''(۲۸)

سپریم طاقتوں نے اقتدار اور طاقت کے حصول کے لیے ماضی میں بھی انسانوں پر جنگیں مسلط کیں۔ گولی، بارود، میزائل اور دھماکوں کے ذریعے کشت و خون کا بازار گرم کیا گیا۔ انسان ایسے ماحول میں رہنے پر مجبور کر دیے گئے جہاں ظلم اور ناانصافی کا راج تھا۔ انسانی نفسیات پر اس ماحول نے کیا اثرات مرتب کیے اس کی مثالیں ملاحظہ کیجیے:

''بابا ! یہ خبریں کیا کہتی ہیں جنگ کب ختم ہوگی؟ کاغذ کے طیارے اڑاتا اڑاتا عمران باپ کے پاس چلاآیا۔ جب دنیا ختم ہو جائے گی بیٹے تو جنگ بھی ختم ہو جائے گی۔ کیا زمانہ آن لگا ہے کہ بچوں کے اعصاب پر بھی جنگ مسلط ہو گئی ہے۔بچے برف میں کھیلتے اور برف کے پُتلے بنانے

کی بجائے گھروں میں بند زندگی اور موت کے مسائل حل کر رہے تھے۔ باہر برف گر رہی تھی لیکن فضا میں گلابوں کی مہک کی بجائے انسانی اجسام کی بُو پھیلی تھی۔ زندگی کا حسن اور شہروں کا سکون زائل ہو چکا تھا۔ ویرانی اور سناٹا انسان کا مقدر بن چکا تھا۔ تمام تر گہما گہمیاں اور ہنگامے تاریکی میں تبدیل ہو چکے تھے...''(۲۹)

بعض خواتین ناول نگاروں کے ہاں موضوعات کا دائرہ پاکستانی سرحد سے ماورا کرہ ارض پر بنی نوع انسان کے مسخ شدہ چہروں کے محرک تک پہنچ گیا ہے۔ عالمی طاقتوں کے نشے سے انسانوں کو وہ ماحول میسر آیا ہے جس میں بے زاری، تلخی، نفرت جھنجھلاہٹ ، ذلت ، احساس کمتری اور چڑچڑا پن پیدا ہو رہا ہے۔ طبقاتی و نسلی منافرت، انسانی حقوق کی جنگ اور غاصبانہ رویوں کے باعث پُر ملا ل اور افسردہ ماحول اضطراب اور بے چینی کوبڑھا رہاہے۔ رشیدہ رضویہ کے ناول اس ضمن میں بطورخاص دیکھے جاسکتے ہیں۔ حجاب امتیاز علی کا ناول ''پاگل خانہ'' بھی تخیلاتی سطح پر تیسری عالمی جنگ کے حوالے سے اہم ہے۔ یہ ناول جدید سائنسی نظریات، ایٹمی تابکاری اور اس کے مضر اثرات پر مبنی ہے۔ ناول کے کردار شوشوئی،روحی اور ڈاکٹر گار دنیا کے مختلف گوشوں میں تلاش امن کے لیے نکلتے ہیں لیکن زہریلے کیمیاوی بخارات اور ایٹمی دھماکے ان کااستقبال کرتے ہیں۔حجاب امتیاز علی نے دکھایا ہے کہ اقوام عالمی کے درمیان مفاہمت کی بجائے خود غرضی بڑھ رہی ہے۔انسان کائنات اور فطرت سے رشتہ منقطع کر رہا ہے ۔انسان، چرند پرند غرضیکہ ہر جاندار اس ماحول کے اثرات کی لپیٹ میں ہے ۔ناول میں دہشت پسندی ، بد امنی اورانتشار کا ماحول دکھا کر مہذب دنیا پر طنز کیا گیا ہے انسان اپنے ماحول اور فضا سے کس طرح بے زار ہو رہا ہے۔ناول کے کردار کی زبانی سُنیے:

''میں بولی: یہ غلط ہے کوئی خوف ناک ہنگامہ یا واقعہ دنیا کے ایک سرے پر وقوع پذیر ہوتا تھا تو دوسرے سرے محفوظ ہواکرتے تھے مگر آج دنیا کے چاروں سروں پرآگ دہک رہی ہے یہ اب عالم گیر وبا ہے میں کسی ایسے گوشے کی تلاش میں یہاں کے ماحول سے نکل بھاگنا چاہتی ہوں جہاں مجھے تھوڑا سا امن اور تھوڑا سا تحفظ مل سکے۔''(۳۰)

انسان نے اپنے لیے اور فطرت کے حسن کو ختم کرنے کے لیے تباہی و بربادی کے سامان خود پیدا کیے ہیں۔ اس نے قدرتی ماحول میں مداخلت کرکے اپنا نقصان اپنے ہاتھوں سے کیا ہے:

''ڈاکٹر گار کہنے لگا۔پہلے ہم سورج کی شعاعوں سے قدرتی طور پر ایک حد تک محفوظ ہوا کرتے تھے۔ مادر قدرت نے انسان کو سورج کی تابکاری سے محفوظ رکھنے کے لیے زمین کے گرد اوزون کی ایک تہہ لپیٹ رکھی تھی لیکن آئے دن کے ایٹمی تجربات دھماکے، فیکٹریوں سے اٹھنے والے دھوئیں، فالتو کیمیائی اشیاء کو سمندروں میں پھینکنا اور کیمیائی اشیا کا غیر فطرتی اور بے دھڑک مسلسل استعمال ان سب غیر فطرتی چیزوں نے اوزون کی تہہ کوکمزور کر دیا ہے اور وہ دن بدن معدوم ہو رہی ہے۔''(۳۱)

ایک ہی گھرانے سے تعلق رکھنے والے افراد کے درمیان سیاسی ماحول اور فضا کی وجہ سے ذہنی اور نظریاتی تفاوت کی بہترین مثال خدیجہ مستور کا ناول'' آنگن'' ہے۔ جس میں عالیہ کے ماں باپ بڑے چچا ، جمیل بھتیجا اور چھمّی کے درمیان ذہنی خلیج کی وجہ سیاسی ماحول ہے۔ بظاہر یہ گھر آنگن کا ماحول ہے جس پر سیاست براہ راست ا ثر انداز ہوتی ہے۔ یہ افراد اور ان کے آپس کے جذباتی اور احساساتی عمل اور ردعمل کی داستان ہے۔ خدیجہ مستور کے دوسرے ناول ''زمین'' کی کہانی بھی پاکستان کے معاشرتی ماحول میں پیدا ہونے والے اخلاقی زوال کی کہانی ہے۔ سیاسی ماحول کا جبر اور شدت ناظم کی پُرخلوص جدوجہد کو سیاسی سازش بنا دیتی ہے اور وہ حالات اور ماحول کے پیشِ نظر ہتھیار ڈال دیتا ہے۔ ان ناولوں سے مثالیں ملاحظہ کیجیے۔

''مگر آپ نے اسے مارا کیوں ... وہ اپنے خیال کااظہار کرتی ہے تو آپ چڑتے کیوں ہیں۔ جب آپ لوگوں کو نظریے کی آزادی نہیں دیتے تو اپنا ملک کس طرح آزاد کر ائیں گے ... صاحبزادے تم گھریلو باتوں کو ملکی معاملات سے مت ٹکرایا کرو اور نہ زیادہ قابلیت جھاڑا کرو تم کچھ نہیں

جانتے ... آپ میری قابلیت کی بات نہ کیا کریں۔ آپ نے تو مجھے صرف پرائمری تک پڑھا کر گلی ڈنڈا کھیلنے کو چھوڑ دیا تھا ... ذرا آپ یہ تو بتائیں کہ جب آپ کو ایک گھر کا خیال نہیں تو اتنے بڑے ملک کے اتنے بہت سے گھروں کا کس طرح خیال کریں گے۔ یہ بھی خوب رہی کہ ایک گھر کو قربان کرکے دو گھروں کو بچا لو۔'' (۳۲)

سیاسی ماحول نے بنگال میں خانہ جنگی کی جو کیفیت پیدا کی تھی نشاط فاطمہ کا ناول ''پھول گرتے رہنے'' اس کا عمدہ عکاس ہے۔ اصول روایات، مذہب، مروت، اصول اور بھائی چارے کے پرخچے اڑا دیے گئے۔ نئی نسل کو وراثت میں کنفیوژن کا تحفہ ملا۔ شبیر جیسا حساس لڑکا اس توڑ پھوڑ، انتشار اور شکست و ریخت سے براہ راست متاثر نظر آتا ہے۔ مشرقی اور مغربی پاکستان کی علیحدگی کے لیے جو فضا اور ماحول پیدا کیا گیا اس ضمن میں الطاف فاطمہ کا ناول ''چلتا مسافر'' اور سلمیٰ اعوان کا ''تنہا'' اور نشاط فاطمہ کا ''پھول گرتے رہے'' دیکھے جا سکتے ہیں۔

پاکستانی خواتین ناول نگاروں کے طرزِ فکر اور طرز اظہار میں بلا شبہ رومانی عنصر بھی موجود ہے۔ ان کے ہاں عشق کی پُر کیف کہانیاں ہیں۔اس لیے ناولوں کی فضا رومانی اور جذباتی ہے، کہیں پر اسرار اور طلسماتی ماحول نظر آتاہے۔ رومانی نقطۂ نظر سے یہ رویہ کائنات سے فراریت کا مظہر ہے لیکن اس دل کش اور شاداب دنیا میں کردار ہواؤں کے گیت سنتے، بادلوں کے اڑتے قالین دیکھتے، جھرنوں کے بہتے پانیوں اور شام و سحر کے ملکوتی او رطلسماتی حسن سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ جینے کا سامان بھی حاصل کرتے ہیں۔ موسموں اور فطرت کی کیفیات براہ راست ان کرداروں پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ دنیا کے بکھیڑوں ، الجھنوں اور دکھوں سے اکتا کر باہر کے موسموں اور اندر کے موسموں میں رشتۂ موانست تلاش کرتے ہیں۔ زندگی کے فطری بہاؤ میں دھیرے دھیرے بہتے کردار معاشرے سے مغائرت اور بیگانگی محسوس ہونے پر انسانوں کی بجائے حیوانات و نباتات اور کائنات سے تعلق بناتے نظر آتے ہیں۔ داخلی اور خارجی مزاحمتوں کا مقابلہ کرنے کے لیے فطرت سے مدد لیتے ہیں۔ مجموعی لحاظ سے دیکھیں تو پاکستانی خواتین ناول نگاروں کے ہاں فطرت، کائنات اور فرد کے گہرے ربط کی عکاسی کی گئی ہے اور فطرت کائنات اور افراد کے مابین رشتے کی تفہیم کی کوشش کی گئی ہے۔ فطرت اور انسان کے آپس میں اٹوٹ اور مضبوط رشتے کی نوعیت دریافت کرتے ہوئے روایتی منظر کشی، روح افزا فضا اور نظارے بزم نشاط سجاتے ہیں لیکن یہی نظارے فکر انگیز نتائج حاصل کرنے میں ممد و معاون بھی ہیں۔

انسانی ذہن مناظر فطرت سے اپنے جذبوں کو جوڑتا اور پھر اس سے حظ، کیف، لطف و انبساط اور تحریک حاصل کرتا ہے۔ خواتین کے ناولوں میں یہ دھڑکتے مناظر خارج اور داخل کے درمیان ربط کی صورت پیدا کر دیتے ہیں۔علاوہ ازیں یہ ناول سیاسی، سماجی اور ثقافتی ماحول کو پیدا کرنے والے محرکات کے بھی خوبصورت عکاس ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ فاروق عثمان، محمد، ڈاکٹر، **اردو ناول میں مسلم ثقافت**، ملتان: بیکن بُکس، ۲۰۰۲ء، ص ۱۸۰
۲۔ نثار عزیز بٹ، "دریا کے سنگ" ،مشمولہ؛ **مجموعہ نثار عزیز بٹ**، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء، ص۸۸۰
۳۔ حجاب امتیاز علی، **پاگل خانہ**، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء، ص ۲۹
۴۔ نثار عزیز بٹ،" کاروانِ وجود"،مشمولہ؛ **مجموعہ نثار عزیز بٹ**، ص ۶۲۴
۵۔ نثار عزیز بٹ، "نگری نگری پھرا مسافر"، مشمولہ؛ **مجموعہ نثار عزیز بٹ**، ص ۶۹
۶۔ نثار عزیز بٹ، "نے چراغے نہ گُلے"، مشمولہ؛ **مجموعہ نثار عزیز بٹ**، ص ۲۶۶
۷۔ الطاف فاطمہ، **دستک نہ دو**، لاہور: فیروز سنز، س ن، ص ۳۰۰۔۳۰۱
۸۔ فرخندہ لودھی، **حسرت عرضِ تمنا**، لاہور: الفیصل، ۱۹۹۲ء، ص ۳۰
۹۔ نیلم فرزانہ، **اردو ادب کی ناول نگار خواتین**، لاہور: فکشن ہاؤس، ۱۹۹۲، ص ۶۸
۱۰۔ بانو قدسیہ، **راجہ گدھ**، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، (اکتیسواں ایڈیشن)، ۲۰۱۳ء، ص ۱۵۱
۱۱۔ بانو قدسیہ، **راجہ گدھ**، ص ۱۵۷
۱۲۔ رشیدہ رضویہ، **اُسی شمع کے آخری پروانے**، لاہور: التحریر، ۱۹۷۰ء، ص ۹۔ ۱۰
۱۳۔ الطاف فاطمہ، **دستک نہ دو**، ص ۱۳۸
۱۴۔ نثار عزیز بٹ،"نگری نگری پھرا مسافر"،مشمولہ؛ **مجموعہ نثار عزیز بٹ**، ص ۹۰، ۹۱
۱۵۔ نثار عزیز بٹ، "نے چراغے نے گُلے "،مشمولہ؛ **مجموعہ نثار عزیز بٹ**، ص ۳۳۴
۱۶۔ نثار عزیز بٹ، "دریا کے سنگ" ،مشمولہ؛ **مجموعہ نثار عزیز بٹ**، ص ۸۷۶۔ ۸۷۷
۱۷۔ نشاط فاطمہ، **پھول گرتے رہے**، لاہور: آئینہ ادب، ۱۹۸۰ء، ص ۳۱
۱۸۔ ممتاز احمد خان، ڈاکٹر، **آزادی کے بعد اردو ناول** (ہیئت اسالیب اور رجحانات)، کراچی: انجمن ترقی اردو (دوسرا ایڈیشن)، ۲۰۰۸ء، ص ۶۲
۱۹۔ خدیجہ مستور، **آنگن**، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص ۳۲۔ ۳۳
۲۰۔ جاوید اختر، سید، ڈاکٹر، **اردو کی ناول نگار خواتین** (ترقی پسند تحریک سے دور حاضر تک)، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء، ص ۳۲
۲۱۔ نشاط فاطمہ، **پھول گرتے رہے**، ص ۱۷۸
۲۲۔ الطاف فاطمہ، **خواب گر**، لاہور: جمہوری پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء، ص ۲۲۲۔ ۲۲۳
۲۳۔ الطاف فاطمہ، **چلتا مسافر**، لاہور: فیروز سنز، ۲۰۱۰ء، ص ۱۲۔ ۱۳
۲۴۔ الطاف فاطمہ، **خواب گر**، ص ۳۰
۲۵۔ نشاط فاطمہ،**پھول گرتے رہے**، ص ۳۳
۲۶۔ الطاف فاطمہ،**دستک نہ دو**، ص ۳۳۶، ۳۳۸
۲۷۔ جمیلہ ہاشمی، **آتش رفتہ**، لاہور: داستان گو پبلی شرز، ۱۹۶۱ء، ص ۵۱
۲۸۔ طاہرہ اقبال، **نیلی بار**، اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۷ء، ص ۲۷۷۔۲۷۸
۲۹۔ رشیدہ رضویہ، ا**ُسی شمع کے آخری پروانے**، ص ۱۸۔ ۲۲
۳۰۔ حجاب امتیاز علی، **پاگل خانہ**، ص ۳۲
۳۱۔ ایضاً، ص ۶۸۔ ۶۹
۳۲۔ خدیجہ مستور، **زمین**، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء، ص ۱۵۹